ڈاکٹر ایوب صابر

مستشرقین کی مخالفتِ اقبال

(نوعیت ومحرکات)

یورپ کی عیسائی سلطنتیں، متحد ہو کر، اسلامی مشرقِ وسطیٰ کے خلاف مسلسل دوسو سال (۱۰۹۶ء تا ۱۲۹۲ء) تک برسرِ پیکار رہیں۔ مسلمانوں سے مقاماتِ مقدسہ چھیننے کے علاوہ اسلامی مشرق پر قبضہ کر کے یہاں کی دولت وثروت کو اپنے تصرف میں لانا مقصود تھا۔ اپنے مشترکہ دشمن اسلام کے خلاف صف آرائی سے متحدہ یورپ کا تصور پیدا ہوا۔ تیرھویں صدی سے اٹھارویں صدی تک یورپی زعما اور مفکرین برابر غور کرتے اور منصوبے بناتے رہے کہ یورپ کی قوت کو مجتمع کر کے مشرقی یورپ سے عثمانی ترکوں کو کس طرح باہر نکالا جائے۔

صلیبیوں نے اپنی نسلوں کے دلوں میں نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی جیسے اولوالعزم قائدین اور عظیم سلاطینِ عثمانی کے خلاف نفرت کے بیج بوئے اور مسلمانوں، بالخصوص ترکوں، سے انتقام لینے کی تلقین کی۔ یہ اسی صلیبی جذبے کا ردِ عمل ہے کہ آج بھی یورپ اور امریکہ ہر محاذ پر عالمِ اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہے اور اسے نیچا دکھانے کے لیے کوشاں ہیں۔ علمی اور فکری محاذ پر اسلام، پیغمبرِ اسلامؐ اور مسلم زعما ومفکرین کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائی گئیں[۱]۔ مسلم ممالک پر قبضہ جمایا گیا۔ اسلامی دنیا میں وطنی قوم پرستی کو فروغ دے کر اور عثمانی سلطنت کے حصے بخرے کر کے اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کیا گیا۔ مسلم مشرقِ وسطیٰ کے قلب میں یہودی چھاؤنی قائم کی گئی اور جنگِ خلیج کے ذریعے عربوں کے وسائل پر تصرّف کو یقینی بنایا گیا اور اب عراق پر براہِ راست قبضہ کر لیا گیا ہے۔ مغرب نے خود تو اتحاد کی طرف پیش قدمی کی ہے۔ نیٹو اور یورپی مشترکہ منڈی اور مشترکہ کرنسی اس کی واضح مثالیں ہیں لیکن مسلمانوں کے اتحاد کی راہ روکنا اور انہیں کمزور رکھنا اہلِ مغرب کا ہدف ہے۔ خود تو روایتی اور جوہری اسلحے کے انبار لگا دیے ہیں لیکن کسی مسلمان ملک کا جوہری طاقت بننا گوارا نہیں۔ مختصر عرصے کے لیے سوویٹ یونین مغرب کا حریف رہا لیکن اشتراکی انقلاب سے پہلے اور سوویٹ روس کے ٹوٹنے کے بعد عالمِ اسلام کو بدستور حریف سمجھا جا رہا ہے اور ہر میدان میں اسے نیچا دکھانے اور اپنے تصرف بلکہ معاشی غلامی میں رکھنے کی کوششیں جاری ہیں۔ اسلامی نشاتِ ثانیہ میں مسلمانوں کی طاقت کا راز مضمر ہے چنانچہ الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کو اقتدار میں نہ آنے دیا گیا اور ترکی میں رفاہ پارٹی کی بساط لپیٹ دی گئی۔ ان جملہ حقائق کو پیشِ نظر رکھا جائے تو مستشرقین کی اقبال شکنی کے محرکات کو سمجھنا مشکل نہیں رہتا۔

اقبال پر بیسوں مستشرقین نے لکھا ہے اور سب کا رویہ ایک جیسا نہیں ہے۔ بقول ڈاکٹر سیّد عبداللہ، نکلسن (Nicholson) براؤن (Brown) گِب (Gibb) ڈینی سن راس (Denison Ross) نیلی نو (Nallino) ماسینو (Massignon)، بوسانی (Bousani)، آربری (Arberry) اور شمل (Schimmel) وغیرہ سلیم المزاج مستشرق ہیں۔ نکلسن نے اقبال کی شاعرانہ صلاحیتوں اور فکری فطانت کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ شمل کی تحریریں مذہبی تعصب اور سیاسی محرکات سے مبرا ہیں۔ آربری یورپ میں مطالعۂ اقبال کے سلسلے میں قابلِ اعتماد راہنما نظر آتا ہے۔ ''رموزِ بےخودی'' کا ترجمہ اس سلسلے کی کڑی ہے جس کا مقصد مغرب ومشرق میں خیر سگالی کا فروغ ہے۔ آربری یورپی فضلا کے خلافِ اسلام حملوں کے برعکس اقبال کے نقطۂ نظر کی حمایت کی۔ آربری نے لکھا کہ ''مسلمانوں کی مثبت تہذیبی کامرانیاں نظر انداز کی جاتی رہی ہیں اور صدیوں تک یورپ میں علمی تحقیق کورانہ مذہبی تعصب کی کنیز رہی ہے''۔ ڈاکٹر عبداللہ نے مستشرقین کے تین گروہ بتائے ہیں۔ اوّل: جن کا مطالعۂ اقبال سنجیدہ اور غائر ہے۔ دوم: جن کی تحریریں رسمی اور غیر معیاری ہیں۔ سوم: وہ معروف مستشرق جن کی تحریک تعصّباتی ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ کے رائے ہے کہ اقبال پر قلم اٹھانے والے دیانت دار اہلِ مغرب نے بھی مخفی ذہنی تحفظات کے تحت لکھا ہے۔ ان نقادوں کی خلش یہ ہے کہ اسلام کو جدیدیت (مغربیت) کی طرف راغب کرنے کے سلسلے میں اقبال ان کے دام میں نہیں آئے۔ ڈاکٹر عبداللہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں ''اصل مسئلہ یہ ہے کہ یورپی لکھنے والوں میں اسلام کے خلاف تعصب کی جڑیں بہت گہری ہیں[۲]۔

اقبال کے اوّلین یورپی معترضین میں ای ایم فوسٹر (E.M.Forster) اور ایل ڈکنسن (L. Dickinson) کے نام نمایاں ہیں۔ دونوں نے پروفیسر نکلسن کے انگریزی ترجمہ ''اسرارِ خودی'' کو پڑھ کر اپنے اپنے ریویو لکھے۔ ''اسرارِ خودی'' کا ترجمہ شائع ہوا تو یورپ میں اسے، وسیع دائرے میں، پڑھا گیا۔ بقول ایس اے واحد اکثر قارئین کا ردِّعمل یہ تھا کہ اقبال اقوامِ مشرق کو یورپی استعمار کے خلاف صف آرا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اٹلی کے مستشرق نیلی نو نے یورپی اقوام کو واضح طور پر اقبال کی تحریروں سے خبردار کیا[۳]۔ نیلی نو سے پہلے ڈکنسن نے حسبِ ذیل الفاظ میں، اپنی رائے ظاہر کی:-

> War is war, whatever its avowed object.... And if the East once gets going to recover by arms a free and united Islam, it will not stop till it has either conquered the world or failed in that attempt. In either case there will not be much left of Mr. Iqbal's philosophy among his coreligionists.
>
> If this book be prophetic, the last hope seems taken away. The East. if it arms, may indeed end by conquering the West. But if so, it will conquer no saluation for mankind. The old bloody duel will swing backwards and forwards across the distracted and tortured world. And that is all. Is this really Mr. Iqbal's last word? [4]

اس قدر شدید ردِّعمل کے پس منظر میں صلیبی جنگ ہے جو خود عیسائی مغرب نے شروع کی اور جو بالآخر ان کی شکست پر فتح ہوئی۔ عالمِ اسلام کو اہلِ مغرب نے اب بھی چراگاہ بنایا ہوا ہے اور جنگی سرگرمیاں بھی جاری

رکھی ہوئی ہیں۔ عقل و خرد کے پرچم برداروں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ان کارستانیوں کا ایک قدرتی ردعمل بھی ہوگا۔ سارا زور اس پر ہے کہ اسلامی دنیا کو کمزور رکھا جائے اور کوئی مسلمان رہنما یا مفکر جنگ کا نام تک نہ لے۔ اقبال کے حسب ذیل دو شعروں کو نقل کر کے ڈکنسن نے دو طویل پیراگراف قلم بند کیے ہیں (طوالت سے بچنے کے لیے جنہیں پورا نقل نہیں کیا گیا۔)

قربِ حق از ہر عمل مقصود دار
تا ز تو گردد جلالش آشکار
صلح شر گردد چو مقصود است غیر
گر خدا باشد غرض جنگ است خیر

جس عنوان کے تحت یہ شعر کہے گئے ہیں، اس کا مفہوم یہ کہ ''مسلمان کا مقصدِ حیات اعلائے کلمہ اللہ ہے اور اگر جہاد کا محرک تسخیر ممالک ہو تو وہ اسلام میں حرام ہے''۔ اقبال کا زور اعلائے کلمۃ اللہ اور قربِ حق پر ہے۔ صلح ہو یا جنگ اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔

یہ اشعار جنگجویانہ للکار پر مبنی نہیں ہیں اور نہ ان میں مغرب کا ذکر ہے[۵]۔ لیکن سمجھ دار مستشرقین یہ نکتہ بخوبی سمجھتے ہیں کہ اسلامی نشاتِ ثانیہ سے دنیائے اسلام مضبوط اور متحد ہو جائے گی اور اگر اہلِ مغرب اپنی دراز دستیوں سے باز نہ آئے تو جنگ بھی ممکن ہے۔ چونکہ ''اسرارِ خودی'' اسلامی نشاتِ ثانیہ کی آئینہ دار ہے، اس لیے ڈکنسن کے معترضانہ انداز میں شدت ہے۔ اسلامی نشاتِ ثانیہ کے حوالے سے جن مستشرقین نے اقبال کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا، انہوں نے اقبال شکنی کی۔ بقول ایس اے واحد انہوں نے اقبال کو مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کی نظر میں گرانے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کو بتایا کہ فکرِ اقبال میں غیر اسلامی عناصر ہیں اور عیسائیوں سے کہا کہ اقبال کٹر مسلمان ہے[۶]۔ برصغیر میں جن اعتراضات کو مخالفینِ اقبال نے بار بار دہرایا ہے وہ اوّلاً مستشرقین نے وارد کیے تھے۔

''اسرارِ خودی'' پر فوسٹر کا تبصرہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۰ء کو، ڈکنسن کے ریویو سے دو ہفتے پہلے شائع ہوا۔ فوسٹر نے مضمون بعنوان ''محمد اقبال'' بعد میں لکھا جو اس کے مجموعہ مضامین Two Cheers for Democracy میں شامل ہے۔ یہ کتاب ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔ اپنے تبصرے میں فوسٹر نے لکھا ہے کہ ''اسرارِ خودی'' کے مخاطب صرف مسلمان ہیں۔ اس میں غیر اسلامی عناصر ہیں۔ اپنے دوسرے معاصرین کی طرح اقبال بھی نٹشے سے متاثر ہوئے ہیں۔ اقبال اس کی راہنمائی میں منازلِ حیات طے کرنا چاہتے ہیں جبکہ یورپ میں بحیثیت معلم اخلاق نٹشے کا کوئی مرتبہ نہیں[۷]۔

ڈکنسن نے لکھا ہے کہ اقبال نے اپنا فلسفہ مغربی مصنفین نٹشے، برگسان اور میک ٹیگرٹ سے لیا ہے۔ نٹشے کا اثر خاص طور پر بہت گہرا ہے۔ اقبال نے پرانی بوتلوں میں نئی شراب بھر کر پیش کی ہے۔ اقبال کا فلسفہ آفاقی ہے لیکن اس کا اطلاق مسلمانوں تک محدود ہے، نیز اقبال جنگ کی تلقین کر کے انسانیت کی آخری امید کو ختم کر دیتے ہیں۔ ان کی حیثیت سرخ سیارے کی سی ہے[۸]۔ فوسٹر نے بھی اپنے بعد والے مضمون میں لکھا کہ

اقبال کا فلسفہ صداقتوں کا کھوج لگانے کے بجائے آدابِ رزم سکھاتا ہے۔ نیز اقبال کی ثقافت مشرقیت پر مبنی رہی، اس لیے اسے بین الاقوامی ذہن کا حامل نہیں سمجھا سکتا[۹]۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اقبال کے مغربی معترضین اقبال سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ مثلاً فوسٹر نے ۱۹۲۰ء میں لکھا تھا کہ گذشتہ دس سال سے اقبال بہت بڑا نام ہے۔ اقبال کی نظر گہری تھی۔ اس کی شخصیت میں غالباً حق کے شرارے موجود ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں لکھا کہ اقبال قدآور اور نابغۂ روزگار شاعر ہے۔ میں ٹیگور سے اتفاق اور اقبال سے اختلاف کرتا ہوں لیکن پڑھتا اقبال کو ہوں۔ اس کے ساتھ چلتے ہوئے میں خود کو راہ گم کردہ محسوس نہیں کرتا[۱۰]۔

اقبال کا ایک بڑا معترض، کینیڈا کا، کانٹ ویل سمتھ ہے۔ اسلام پر اس کی پہلی کتاب (Modern Islam in India) ۱۹۴۳ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ ایس اے واحد نے اسے جنونی عیسائی لکھا ہے[۱۱]۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ وہ ایک پرجوش اشتراکی ہے اور اُس نے اِسی نقطۂ نظر سے اقبال کا مطالعہ کیا ہے۔ (یہاں اس کا مجمل ذکر مقصود ہے۔ تفصیل ''اشتراکی اور دہریے'' کے زیرِ عنوان آئے گی۔) سمتھ کی تحریروں سے برصغیر اور یورپ کے دانشور برابر مستفید یا گمراہ ہوئے ہیں۔ اس کے اعتراضات کا مشرق و مغرب میں چرچا رہا ہے۔ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ آل احمد سرور اور ایچ اے آر گب جیسے صاحبانِ علم بھی سمتھ سے متاثر ہوئے ہیں۔ آل احمد سرور نے اپنے مشہور مضمون ''اقبال اور اس کے نکتہ چیں'' میں سمتھ کے اعتراضات کو نقل کرنے کے بعد لکھا:

> اقبال پر یہ جو اعتراضات ہیں وہ پچھلے (اہلِ زبان اور مقامی ترقی پسندوں کے) اعتراضات کے مقابلے میں زیادہ وقیع ہیں۔ اس وجہ سے اور بھی کہ معترض کی نگاہ صرف اقبال کی خامیوں پر ہی نہیں ہے، اس نے اس شاعرِ اعظیم کی خوبیاں بھی تفصیل سے گنائی ہیں۔ ان میں سے ہر اعتراض کا جواب علیحدہ علیحدہ دینے کے لیے ایک دفتر چاہیے ۔ لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے میں ذرا پس و پیش نہیں کہ ان میں سے بعض اعتراض صحیح ہیں۔ اقبال واقعی جتنا جدید فلسفے سے واقف تھے، اتنا جدید سائنس اور جدید سوسائٹی سے واقف نہیں تھے۔ گو وہ ہمارے ہندوستان کے بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھنے والوں میں سب سے بیدار ذہن رکھتے تھے مگر اپنی بڑھی ہوئی مذہبیت کی وجہ سے بعض اوقات سطحی مذہبیت کی حمایت میں وہ مذہب کی انقلابی روح کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ وہ خوابوں کی دنیا میں رہتے تھے اور بعض اوقات صبحِ کاذب کو صبحِ صادق سمجھ لیتے تھے۔ اشتراکیت کا انھوں نے شروع میں اچھی طرح مطالعہ کیے بغیر اس کی مذمت کی تھی مگر آخر عمر میں وہ اشتراکیت کی طرف بہت مائل تھے۔ بہت سی باتوں میں وہ گفتار کے غازی تھے اور کردار کے غازی نہ تھے، گفتار میں بھی سب پہلوؤں پر ان کی نظر نہ ہوتی تھی[۱۲]۔

آل احمد سرور کے یہ اعتراضات افسوس ناک ہیں۔ سرور نے لکھا ہے کہ ''ڈبلیو سی سمتھ نے اقبال کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے''۔ خود سرور نے سمتھ کا مطالعہ گہری نظر سے نہیں کیا۔ اور اس کے مقاصد و محرکات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

ایچ اے آر گب کی اسلام پر پہلی کتاب Wither Islam? ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اقبال کا ذکر متعدد بار آیا ہے اور اقبال کے حوالوں سے اقبال کا نقطۂ نظر واضح کیا ہے۔ انداز علمی اور بڑی حد تک منصفانہ ہے، معترضانہ نہیں، حتیٰ کہ ماڈرنزم اور راسخ العقیدگی کے ضمن میں بھی توازن و احتیاط سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ تاہم سمتھ کی کتاب پڑھنے کے بعد گب کا اندازِ نظر تبدیل ہوگیا۔ اسلام پر گب کی دوسری کتاب (Modern Trends in Islam) ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اقبال کے ضمن میں اندازِ نظر مخالفانہ ہے۔۔۔ گب نے اقبال پر بار بار تضاد عائد کیا ہے۔ گب نے لکھا ہے کہ اقبال نے جنگجو مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ عورت کو مظلوم رکھنے کی حمایت کی اور اس طرح ماڈرنزم کا جنازہ نکال دیا۔ عربوں کی طرح اقبال کو بھی یورپ کی رومانیت پسند آئی اور اس ضمن میں برگسان کی تقلید کی۔ گب نے اقبال پر قرآنی آیات کی غلط تاویل کا الزام بھی عائد کیا[۱۳]۔ اگرچہ اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی۔ اسلام پر اپنی تیسری کتاب (Mohammadanism) میں اقبال کو صوفی قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ تصوف کے سلسلوں کا تعلق اسلام سے برائے نام ہے۔ نیز فکرِ اقبال کی بنیاد متصوفانہ فلسفہ ہے جسے نٹشے کے سپرمین اور برگسان کے تصورِ زمان کے مطابق ڈھال لیا ہے[۱۴]۔

کانٹ ویل سمتھ کی طرح ایڈورڈ تھامس بھی قیامِ پاکستان کا مخالف تھا۔ ۱۹۳۲ء میں جب اقبال دوسری گول میز کانفرنس کے سلسلے میں انگلستان میں مقیم تھے، تھامس نے ''پان اسلامی سازش'' کے سنسنی خیز عنوان کے تحت، خطبۂ الٰہ آباد کے ردعمل میں، ایک مراسلہ ''لندن ٹائمز'' میں شائع کرایا۔ پان اسلامی سازش کا پروپیگنڈا مسلم ریاست کے قیام میں زبردست رکاوٹ بن سکتا تھا، اس لیے اقبال نے جوابی مراسلہ شائع کرایا[۱۵]۔ اور اس طرح اس کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کی۔

ایچ ٹی سورلے کی کتاب موسیٰ پرویگنز (Musa Pervagans) ۱۹۵۳ء میں شائع ہوئی۔ سورلے نے بقول خود دنیا کی بہترین غنائی شاعری کا انتخاب مع ترجمہ پیش کیا ہے۔ اس میں ''بانگ درا'' کی بارہ نظمیں شامل ہیں[۱۶]۔ موصوف نے چار پانچ صفحات کے اپنے تبصرے میں افسوس کے ساتھ لکھا ہے کہ اقبال کو قومی مشاہیر پرستی کے معیاروں سے جانچا جا رہا ہے۔ پاکستان میں اقبال انجمنیں اسی طرح کام کر رہی ہیں۔ جیسے انگلستان میں براؤننگ سوسائٹیوں کا شعار تھا اور اقبال کا حشر بھی براؤننگ جیسا ہوگا۔ رفعت حسن نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پاکستان میں اقبال کے ساتھ ارادت مندی (Iqbal Cult) اب پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ سورلے کی رائے ہے کہ ''اقبال اپنی حدود میں یقیناً ایک پختہ شاعر ہے لیکن خیالات اور قوتِ بیان کی تنگی کے ساتھ وہ ایک معمولی شاعر سے زیادہ نہیں''۔ اس کے جواب میں رفعت حسن لکھتی ہیں کہ ''قوتِ بیان کی تنگی کے ساتھ اقبال نے 'جگنو' اور 'گل پژمردہ' جیسی نظمیں کہیں جنہیں سورلے نے دنیا کی بہترین نظموں میں جگہ دی ہے''۔ سورلے کا موقف ہے کہ ''اقبال بہترین شاعر ہوتے اگر ان میں کوہ ایورسٹ پر چڑھ جانے کا جذبہ ہوتا''۔ رفعت حسن لکھتی ہیں کہ اقبال سنگھ اپنی تالیف The Ardent Pilgrim میں کہتے ہیں کہ شاعر کے کام کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ کچھ دوسرے تناظرات سے ہوگا بہ نسبت ان کے جو نٹشے پر دکھائے گئے ہیں[۱۷]۔ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے سورلے کے اعتراضات نقل کر کے لکھا ہے کہ ''یہ غیر ذمہ دارانہ

بیانات کسی تصریح وتنقید کے محتاج نہیں ہیں[۱۸]۔

الفرڈ گیوم (Alfred Guillaume) نے اپنی کتاب ''اسلام'' (۱۹۵۴ء) میں، ڈھائی صفحات اقبال پر بھی لکھے ہیں اور اقبال کو مسلمان اور عیسائی قارئین کی نظر میں گرانے کی کوشش کی ہے[۱۹]۔ گیوم لکھتا ہے کہ اقبال نے، مروجہ اسلام سے ہٹ کر، انسانی خودی کو تخلیقی آزادی کا حامل قرار دیا ہے۔ اقبال نے مسلمانوں کے تصورِ تقدیر کو پست کہا ہے۔ جنت اور دوزخ کے بارے میں اقبال کے خیالات خطرناک بدعت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اقبال کے تصورات کچھ تو اسلامی اصولوں پر مبنی ہیں اور کچھ دورِ حاضر کے عیسائی افکار پر۔ گیوم نے یہ شوشہ بھی چھوڑا ہے کہ ماڈرن مسلمان قرآن کو محمد کی تصنیف سمجھتے ہیں اور دورانِ گفتگو اس کا کھل کر اظہار کرتے ہیں۔ گیوم کا اعتراض ہے کہ جب جدید تقاضوں کے تحت قرآن کی تاویل کا سوال اٹھتا ہے تو اقبال اپنی ذمہ داری سے بچتے ہیں۔

پروفیسر رالف رسل کا خطبہ بعنوان ''اقبال اور ان کا پیغام'' انجمن ترقی اردو پاکستان نے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا۔ رالف رسل نے لکھا ہے کہ اقبال نے فارسی شاعری اس خوش فہمی کی بنا پر کی کہ یہ زبان اب بھی وسیع علاقے کے مسلمانوں سے انھیں ہم کلام کر سکتی ہے۔ اقبال جب آدمی کو خلیفہ خدا کی شکل میں دیکھتے ہیں تو ان کے تصور میں پوری نسل آدم نہیں ہوتی بلکہ اس نسل کا صرف مسلمان حصہ ہوتا ہے۔ اقبال شاہی نظام کو کوستے ہیں لیکن بالعموم تاثر یہ دیتے ہیں کہ طاقت ور مسلمان حکمران جنہیں عظیم انسان سمجھتے ہیں، واقعی عظیم انسان ہیں۔ بقول سمتھ ان کی توجہ یہ واضح کرنے کی طرف اتنی مائل نہیں کہ انسان کا عمل کیا ہونا چاہیے جتنی اس امر کی جانب کہ انسان کو ہر عمل اپنی پوری طاقت کے ساتھ کرنے پر تل جانا چاہیے۔ اقبال نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی جیسے بے رحم اور جابر حکمرانوں کے مدح سرا ہیں، اس لیے کہ وہ مسلمان تھے۔ اقبال کو اہلِ پاکستان عظیم اس لیے سمجھتے ہیں کہ بقول عزیز احمد ''وہ ہمیں احساس بخشتے ہیں کہ ہم بہت اچھے ہیں''۔ میر جعفر اور صادق پر اقبال نے تنقید کی حالانکہ انگریزوں کے مخالفین اور حامی دونوں ایک ہی نوع کے حکمران تھے۔ ایسی مذمت اقبال نے سر سید احمد خان کی نہیں کی جنہوں نے مسلمانوں اور انگریز حکومت کے درمیان سمجھوتہ کرانے کے لیے زندگی وقف کر رکھی تھی۔ اقبال کے ہاں مسلمانوں کی حکومت کے ماتحت غیر مسلموں کے حقوق کے بارے میں کوئی ٹھوس بیان نہیں ملتا۔ اقبال سامراج کے دشمن ہیں لیکن ترک سامراج کو سامراج نہیں سمجھتے۔ انہیں یہ بات یقینی لگتی ہے کہ جہاں جہاں مسلمانوں کی حکومت ہوگی وہاں از خود حق وانصاف کا دور دورہ ہوگا۔ ان کو اصرار ہے کہ مسلمانوں کو قوم (Nation) سے صرف مسلمان قوم یا امّتِ مسلمہ ہی مراد لینا چاہیے لیکن شمالی مشرقی ہند کے مسلمانوں کا ذکر تک نہیں کرتے۔ پروفیسر رسل نے ''اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے'' سے استشہاد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''خود آگہی کی یہ کمی ہی غالباً ان ابہامات اور تضادات کی ذمہ دار ہے جو میں نے بیان کیے ہیں''۔ رسل کا فہمِ اقبال ناقص ہے تاہم ان کے اعتراضات لائق توجہ ہیں[۲۰]۔

یورپ کی زبانیں، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی، ترقی یافتہ زبانیں ہیں لیکن اس کے باوجود ان زبانوں میں شعر اقبال کے جرعۂ تیز کا ترجمہ کٹھن ہوتا ہے۔ آربری جیسے اقبال شناس نے بھی جو، شمل اور

بوسانی کی طرح، اقبال شناسی میں ایک مقام رکھتا ہے۔ اس کا اعتراف کیا ہے۔ مستشرقین نے ترجمے کے علاوہ دوسرے امور کے ضمن میں بھی دلچسپ غلطیاں کی ہیں۔ بسا اوقات وہ اقبال کا وسیع و عمیق مطالعہ نہیں کر پائے۔ مشرقی تہذیب و ثقافت سے ان کی محدود آشنائی بھی تسامحات کا باعث بنی ہے۔ ایس اے واحد نے لکھا ہے کہ کانٹ ویل سمتھ جب پہلی مرتبہ ان سے ملاقات کے لیے آیا تو اسے اردو نہیں آتی تھی حالانکہ وہ اقبال پر بھرپور انداز سے قلم چلا چکا تھا[۲۱]۔ پروفیسر نکلسن کے ترجمہ ''اسرارِ خودی'' سے اقبال مطمئن نہیں ہے۔ کیونکہ نکلسن نے ترجمے میں کئی فاش غلطیاں کی ہیں[۲۲]۔

فوسٹر کے خیال میں ''اسرارِ خودی'' کی تخلیق کا زمانہ ''ترانۂ ہندی'' اور ''نیا شوالہ'' کے درمیان ہے۔ ''نیا شوالہ'' اس کے نزدیک ۱۹۱۶ء میں لکھی گی[۲۳]۔ درحقیقت ''ترانۂ ہندی'' ۱۹۰۴ء اور ''نیا شوالہ'' ۱۹۰۵ء میں لکھی گئیں۔ کلامِ اقبال کی صحیح زمانی ترتیب سے لاعلم ہونے کے باعث فوسٹر نے اقبال کے فکری ارتقا کو سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے اور وطنی و اسلامی قومیت کے ضمن میں اقبال کے موقف کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ کلامِ اقبال کی صحیح زمانی ترتیب سے واقف ہونے کی صورت میں فوسٹر کا زاویۂ نگاہ بقول اقبال مختلف ہوتا[۲۴]۔

حواشی

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' جلد ۱۲، ص ۲۰۹ تا ۲۲۰۔

۲۔ ''مطالعۂ اقبال کے چند نئے رخ'' ص ۲۶۹ تا ۲۷۳۔ یہ تعصب شمل تک میں موجود ہے۔ دیکھیے Gabriel's Wing ص ۳۸۵۔

۳۔ ''اقبال ریویو'' اپریل ۱۹۶۴ء، ص ۴، ۵۔

۴۔ The Secret of the Self۔ مشمولہ The Sword and the Sceptre۔ مرتبہ رفعت حسن، ص ۲۸۹۔۲۹۰۔

۵۔ کلیاتِ اقبال، فارسی، ص ۶۳۔

۶۔ دیکھیے، Iqbal and is Critics۔ مشمولہ ''اقبال ریویو''۔ اپریل ۱۹۶۴ء، ص ۱۱۔

۷۔ دیکھیے، The Secrets of the Self۔ مشمولہ The Sword and the Sceptre۔ ص، ۲۷۹ تا ۲۸۵۔
اس مضمون کا ترجمہ سید سلیمان ندوی نے، ۱۹۲۱ء میں کیا تھا جو اب ''اقبال ممدوحِ عالم'' میں شامل کیا گیا ہے۔ دوسرے مضمون کا ایک ترجمہ ڈاکٹر سید حامد حسین نے کیا جو ماہ نامہ ''سب رس'' کراچی کے اقبال نمبر، حصہ دوم ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون کا ایک اور ترجمہ ڈاکٹر سلیم اختر نے کیا ہے جو ان کی مرتب کردہ کتاب ''اقبال ممدوحِ عالم'' میں شامل ہے۔

۸۔ دیکھیے، The Secrets of the Self۔ مشمولہ The Sword and the Sceptre۔ ص ۲۸۶ تا ۲۹۰۔ واضح

رہے کہ ''اسرار خودی'' پر کیے گئے فوسٹر اور ڈکنسن کے اعتراضات کا جواب اقبال نے خود دیا تھا۔ (دیکھیے Discourses of Iqbal۔ص ۱۸۹ تا ۱۹۶)۔

۹۔۱۰۔ دیکھیے ''اقبال ممدوحِ عالم''، ص ۱۳۴ تا ۱۵۱۔

۱۱۔ ''اقبال ریویو''، اپریل ۱۹۶۴ء، ص ۷۔

۱۲۔ ''عرفان اقبال''، ص ۹۴۔

۱۳۔ Modern Trend in Islam۔ص ۵۲، ۶۱، ۸۴، ۸۴، ۱۰۰ ۱۰۳ تا ۱۱۰،۱۱۰۔

۱۴۔ دیکھیے، Mohammadism۔ص ۱۶۱، ۱۸۵۔

۱۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۲۹۲۔۲۹۳۔

۱۶۔ ان نظموں کے نام یہ ہیں۔محبت، کلی، شمع و پروانہ، ابر، انسان، خطاب بہ جوانانِ مسلم، موج دریا، گل پژمردہ، فراق، دعا، جگنو۔۔ایچ ٹی سورلے کی کتاب کا اقبال سے متعلق حصہ رفعت حسن نے اپنے مرتب کردہ مجموعۂ مقالات (The Sword and the Sceptre) میں شامل کیا ہے۔

۱۷۔ (The Sword and the Sceptre)۔ص ۱۷۶، ۱۷۸؛ xx-xxi۔

۱۸۔ ''اقبالیات کا تنقیدی جائزہ''۔ص ۱۶۲۔۱۶۳۔

۱۹۔ اسلام۔(Islam) ص۔۱۵۷ تا ۱۵۹۔

۲۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے : پروفیسر رالف رسل کا کتابچہ :''اقبال اور ان کا پیغام''، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۱۹۹۶ء

۲۱۔ ''اقبال ریویو''، اپریل ۱۹۶۴ء، ص ۷۔

۲۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ''حیاتِ اقبال'' ص ۱۸۸۔

۲۳۔ دیکھیے (The Sword and the Sceptre)۔ص ۲۸۱۔۲۸۲۔

۲۴۔ مکتوبِ اقبال بنام پروفیسر نکلسن مورخہ ۲۴ر جون ۱۹۲۱ء، ''کلیات مکاتیب اقبال''۔۲، ص ۲۲۷۔